جدید شعری مجموعہ

پیاسی چھاگل پیاسے لوگ

شعیب جاذب

پیاسی چھاگل پیاسے لوگ

شعیب جاذب

ناصر پبلیکیشنز

NASIR PUBLICATION

فریدی بازار ٹریفک چوک ڈیرہ غازی خان فون: 0642-472294

ضابطہ

نام کتاب	پیاسی چھاگل پیاسے لوگ
شاعر	شعیب جاذب
مطبع	معراج پرنٹنگ پریس لاہور
نام کمپوزر	محمد بلال دی بیسٹ کمپوزنگ سنٹر ضلع کچہری ڈیرہ غازیخان
سن اشاعت	دسمبر 2005
معاونت	سید کوثر حسنین بخاری ایم اے گولڈ میڈلسٹ اسسٹنٹ ایجوکیشن لیہ
سرِ ورق	آرٹسٹ علی اعجاز نظامی وحید بلڈنگ ملتان
قیمت	130روپے

ناصر پبلکیشنز اینڈ نیوز ایجنسی

فریدی بازار ٹریفک چوک ڈیرہ غازیخان

فون: 0304-6601577

کتاب ملنے کا پتہ

1۔ جاذب کتاب مرکز (جنرل بس سٹینڈ)۔ لیہ

2۔ ارشاد دانش ناز سینما روڈ لیہ

3۔ کتاب مرکز بک لینڈ اردو بازار بھکر

4۔ گلف سٹیشنرز توپانوالہ بازار ڈیرہ اسماعیل خان

5۔ ادارہ فکشن مزنگ روڈ لاہور

6۔ المہدی کتاب گھر، (امام بارگاہ) نواب شاہ

انتساب

اپنی بارھویں آرزو کے نام

جو مسجد جکمران سے وابستہ ہے

میں تری دید کو ترستا ہوں

شعیب جاذب

وہبی صلاحیتوں کا شاعر

سید کوثر حسین بخاری ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) ڈیرہ غازیخان

''پیاسی چھاگل پیاسے لوگ'' ایک خوددار، بے باک، درویش صفت شاعر کا مجموعہ کلام ہے۔ شاعری کلام موزوں کا نام ہے اور جاذبؔ موزوں کلام کے لئے جاذبِ نظر ہے جس کی شاعری قوسِ قزح ہے۔ اعلیٰ شاعری جذبے کی سچائی اور احساسات کا مظہر ہوتی ہے۔

لانجا ئینس نے شاعری کے لئے'' ارفع خیالی'' کو جز و لا ینفک قرار دیا۔ ترفع، ارفع خیالی (Sub Lime) شعیب جاذب کی شاعری کا خاصا ہے۔ چونکہ شاعری ایک وہبی عطیہ ہے اکتسابِ عمل اس کا جھومر۔ یقیناً جاذبؔ اسی دشتِ اکتساب کا ایک خوبصورت شہسوار ہے۔

کرن اُن کے دریچے سے دبے پاؤں نکلتی ہے

دھنک اِن سرخ گالوں کی کئی پہلو بدلتی ہے

جاذبؔ کی متنوع شاعری مختلف پہلو اور کروٹیں بدلتی ہے۔ موسیقیت اور ترنم کے ساتھ، رنگارنگ کی شاعری میں اُنہوں نے شکست و ریخت کے ساتھ، تنہائی کے جشن کا اہتمام بڑے پرلطف انداز میں کیا ہے۔

اب کے تا دیر ستاروں نے مرا ساتھ دیا

اجلے آنگن میں بڑا جشن منایا میں نے

پہلے کاغذ کو نم آلود کیا اشکوں سے

پھر کہیں جا کے ترا نقش بنایا میں نے

ان کے کلام میں یہ شکست و ریخت ایک گھن گرج کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو فاتحانہ انداز میں شاعر کی انا کی تسکین کا باعث بنتی ہے۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی اور زمانے کی ناقدر شناسی اس کے قویٰ مضمحل کر دیتی ہے۔

کمزور کر دیا ہے حوادث نے اس قدر

لگتا ہے ایک بوجھ سا شانوں پہ سر مجھے

اس کے باوجود اُن کی شاعری قنوطیت کی بجائے، حالات کے سامنے ڈٹ جانے کا درس دیتی ہے۔

آیا کبھی خیال جو اپنی شکست کا

اپنا وجود خود ہی مقابل میں ڈٹ گیا

شعیب جاذب ہمیشہ استعاروں میں بات کرنے کے عادی ہیں۔

سب بگولے، بے ثمر ہو کر بھی رنگا رنگ ہیں

ریت کے دریا میں ان پیڑوں کو پھلنا ہی پڑا

شعیب جاذبؔ نے بارش، دھوپ، آنسو، چادر، سانپ اور چھاگل کے استعارے استعمال کر کے اپنے کلام کو اور بھی خوبصورت اور دلکش بنا دیا۔ سچ بولنا ان

کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ۔ ان کی شاعری میں اشکوں کی سجاوٹ ہے ۔
یہی اشک، نگینوں کی صورت میں صفحہء قرطاس پر بکھر جاتے ہیں ۔

اشکوں کی ایک سطر بھی میں نے پڑھی نہ تھی
پہلا ورق بیاضِ سحر کا الٹ گیا
افسوس ان کی یاد کا رنگین قافلہ
قوسِ قزح کے موڑ پہ آ کر پلٹ گیا

آخر یہ دُرِ یگانہ اور قوسِ قزح کا شاعر، حلقہ یاراں کی نظروں سے اوجھل اور پذیرائی سے محروم کیوں رہا؟ اس دلکش اور خوبصورت کلام کی اشاعت کا کیا سبب ہے۔ جو تکمیل کے مراحل طے کرنے کے باوجود ابھی تک تعطل کا شکار رہے۔ شہر لیہ کی زرخیز مٹی سے ان سوالوں کے جواب کا میں آج بھی منتظر ہوں۔

(7 ستمبر 2005ء لیہ)　　سید کوثر حسین بخاری (ایم اے گولڈ میڈلسٹ)
اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایجوکیشن ضلع لیہ

عصری آگہی کا شاعر

پروفیسر مہر اختر وہاب صدر شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج لیہ

''پیاسی چھاگل پیاسے لوگ'' پختہ کار اور کہنہ مشق شاعر شعیب جاذب کا پہلا مجموعہ غزلیات ہے۔ عہد حاضر میں جب کہ غزل کے نئے پیکر تراشے جا رہے ہیں اور انسانی مسائل کی کامیاب ترجمانی ہو رہی ہے ان کی غزل نئے طرز احساس کی ترجمانی کر رہی ہے۔ وہ نئے اسلوب اور شعری اظہار سے اپنے عہد کے شعری رویوں سے منسلک ہوئے ہیں۔ شعیب جاذب ان لوگوں میں سے ہیں جن کے کلام سے حال کی اردو شاعری متاثر ہو رہی ہے۔ ان کی شاعری کے شعری رجحانات کا پیش خیمہ بھی ہے۔

چڑھتے دریا سے گزرنا تو بہت دشوار تھا
کس سلیقے سے بھنور کے دوش پر آیا ہوں میں
ذات ہی کے خول سے باہر نکلنا تھا کٹھن
ایسا خنجر ہوں کہ خود کو کاٹ کر آیا ہوں میں

اُن کی شاعری میں تازگی، اندازِ بیاں پر قدرت مافی الضمیر کو بیان کرنے کا سلیقہ اور الفاظ کی معنویت پر گرفت معاصر شعری تناظر میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ شعیب جاذب کی شاعری ہم عصر شعرا میں منفرد اسلوب اور علیحدہ شناخت کی حامل ہے قرآنی تلمیحات، عشقِ رسول ﷺ

اور کربلا کے استعارے بالخصوص ان کے شعری اسلوب کی تشکیل کرتے ہیں۔

شعیب جاذبؔ اپنے شعری اسلوب میں لفظیات، تشبیہات اوراستعارات کی تازہ کاری اور رنگ و آہنگ کے اعتبار سے جدید اردو غزل میں اپنی مثال آپ ہیں۔غزل کا مخصوص تہذیبی مزاج معاصر شعراء کے ہاں کم یاب ہے۔مگر شعیب جاذبؔ کے ہاں غزل کی روایت الفاظ کے درو بست، شعری حسن، معنوی لطافتوں اور نزاکتوں کا بڑا اہتمام موجود ہے۔

خطِ تنسیخ سے کیا ملے روشنی — شہرِ تفہیم وقفِ گماں رہ گیا
سارے لہجوں کو موت آ گئی آخرش — صرف جاذبؔ کا طرزِ بیاں رہ گیا

شعیب جاذبؔ کے ادبی اور شعری اسلوب کی تشکیل میں فارسی شعری روایت کا گہرا اثر ہے۔ان کے کلام میں فارسی تراکیب کا اہتمام اس بات کا ائینہ دار ہے۔کہ جاذبؔ کی غزل ہمارے تہذیبی مزاج کی اداشناس ہے۔

شہرِ گُل میں خار کے منیران پر — خوشبوؤں کو تولنا اچھا نہیں
اجالے بانٹتا پھرتا ہے گھر گھر — فلک کے دیس کا بہزاد کوئی

غزل کی روایت اور غزل کی تہذیب سے وابستگی معاصر تہذیبی شکست وریخت کے زمانے میں شعیب جاذبؔ کے مزاج کا حصہ بن گئی ہے۔بعض شعرا کی طرح وہ غزل میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے روایت سے انحراف نہیں کرتے وہ

حقیقت نگاری کا سہارا لے کر غزل کے رمزی اور ایمائی تقاضوں کی نفی بھی نہیں کرتے۔ ان کی غزل صوری و معنوی حسن سے آراستہ ایک رچے ہوئے تہذیبی شعور کی عکاس ہے۔

خوشبو خوشبو کیچ بہت　　　خوشبو پکڑے کس کے ہات
جاذبؔ ہم نے دیکھا ہے　　　کالا سورج اجلی رات

شعیب جاذبؔ کا سحرِ تخلیق ترکیب سازی اور پیکر تراشی میں اپنی جھلک دکھاتا ہے اور کہیں خوب صورت تشبیہوں اور استعاروں کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ اپنے جذبہ و احساس کو خوش رنگ اور تازہ کار لفظی پیکروں کا پیرہن عطا کرتے ہیں۔

اسی برتے پہ ہے خاموش جاذبؔ　　　لبوں کی شاخ پر اک فاختہ ہے

شعیب جاذبؔ کا یہ شعری مجموعہ لگ بھگ چالیس برس کی ریاضت کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔ انہوں نے اس معاملے میں کسی قسم کی جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ یہ مجموعہ اس امر کا بھی غماز ہے کہ انہوں نے اپنا سارا کلام چھاپ کر پیش نہیں کر دیا بلکہ ایک کڑے انتخاب کے بعد قارئین کے ذوقِ جمالِ شعر کا سامان کیا ہے۔ ان کے تازہ و پختہ کلام کی ایک جھلک دیکھئے۔

دریا اتر گیا ہے مگر دیکھنا یہ ہے
کیا لکھ گیا ہے ریت پہ پانی پڑھا کرو

ے بادبانوں کے بہت کسب و ہنر دیکھیں گے
جب سمندر میں نئے مد و جزر دیکھیں گے

چاند ڈوبے گا کہیں مہر شفق ڈوبے گا
اس تماشے کا اثر شام وسحر دیکھیں گے

شعیب جاذبؔ کی شاعری لفظیات کا ڈھیر نہیں بلکہ اپنے عہد سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ فکر وشعور سے بھی اپنا رابطہ استوار کرتی ہے۔ ایسی شاعری بقول ''میتھو آرنلڈ''، عظیم اسلوب اور اعلیٰ سنجیدگی سے پیدا ہوتی ہے۔

جاذبؔ کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ے

خود بخود چہرہ مفہوم مہک اٹھے گا
پہلے الفاظ کے گھونگھٹ تو الٹ کر دیکھوں

سیدھی شاہوں کے قصائد پر نظر پڑتی ہے
جب بھی تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھوں

جو اپنی ذات مسخر نہ کر سکا جاذبؔ
اب اس کا زحل کی تسخیر کا ارادہ ہے

سحر کے کھیت میں سرسوں کی مثل پُھولی ہے
جو کہکشاں مری پلکوں پہ آ کے جُھولی ہے

ایسے اشعار پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے گرد و پیش کی دنیا کے مسائل پر ایک عرصے تک غور کیا ہے اور اس غور و فکر کا پیدا کردہ کرب شعری پیرائے میں ڈھل گیا ہے۔

کتنا اجلا ہے آئینہ — اس کا پس منظر دیکھیں گے
پلکوں کے نیزوں پہ جاذبؔ — اجلے اجلے سر دیکھیں گے

شاعری جہاں انسانی ذوق جمال کی تسکین کا ساماں ہے وہیں اپنے عہد کے مسائل و مصائب کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ ہر بڑی شاعری میں اپنے عہد کے گمبھیر مسائل کی گونج سنائی دیتی ہے۔ انسان کے ذاتی اور اجتماعی دکھوں، معاشرتی ناہمواریوں کا عکس بالخصوص غزل میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ شعیب جاذبؔ بھی اپنے عہد کے مسائل سے بے خبر نہیں۔ انہوں نے انسان کی بنیادی تشویش اور وجودی مسائل کو اپنے عہد کی زبان اور لہجے میں پیش کیا ہے۔

مسافر دھوپ میں چلتا کہاں تک — سلگتے دشت میں جلتا کہاں تک
چراغِ راہ گزر جلتا کہاں تک — منازل کے تمنائی نہ پہنچے

شعیب جاذبؔ نے مختلف اصناف مثلاً حمد، نعت، منقبت، مرثیہ، قطعہ، ہائیکو اور غزل میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر غزل سے انہیں فطری مناسبت ہے۔ انہوں نے متحرک تصاویر کا ایک آئینہ خانہ قاری کے سامنے لا کر ایک بہت آفریں کیفیت پیدا کی ہے۔

سحر جب آنکھ ملتی ہے گجر کی بات چلتی ہے
کوئی ہے راز سربستہ جو تنہائی اگلتی ہے

میں شدت سے پیاسا تھا وہ بھی ذات کا دجلہ تھا
اس کے دل کی کھیتی پر جانے کس کا قبضہ تھا
شام کی جلتی بانہوں میں سورج کیسے سمٹا تھا

افسوس ان کی یادکا رنگین قافلہ قوس وقزح کے موڑ پر آ کر پلٹ گیا

ریگزاروں نے سرمئی چادر شام کے سر پر تان رکھی ہے۔
چاندنی کی لطیف آہٹ نے نیند سے پھر جگا دیا مجھ کو

مختصر یہ کہ شعیب جاذبؔ کی شاعری بڑی شاعری کی طرح صرف حسی اور جذباتی واردات کے بیان تک محدود نہیں۔ ان کے ہاں کھرا جذبہ اور عصری آگہی تخلیقی تجربے کی سطح پر ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کے ہاں تجربے کی فکری بنیادیں حسی کیفیتوں کو سہارا دیتی ہیں۔ ان کی شاعری صرف خیالات کی شاعری نہیں ہے اور نہ ہی یہ احساسات کے دائرے میں گردش کرتی ہے۔ ان کے کلام میں تخلیقی بصیرت کے ساتھ ساتھ تنقیدی شعور بھی نمایاں ہے۔ وہ مواد اور ہیت کی تنویت کے قائل نہیں بلکہ وہ ان کے ہاں تخلیقی وحدت میں ڈھلتے ہیں۔

شعیب جاذبؔ خیال اور تجربے کی نئی آب و ہوا میں سانس لیتے ہیں مگر اپنے ماضی اور فنی روایت سے تعلق نہیں توڑتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں غزل کی کلاسیکی روایت کا بھی بھرپور شعور موجود ہے۔ انہوں نے جس تخلیقی

بصیرت، خلوص اور فن کارانہ چابک دستی سے عشقیہ واردات کو دوسرے سماجی مسائل سے منسلک کیا ہے یہ معاصر اردو شاعری میں ایک منفرد مثال ہے۔

دیکھ رہا ہے ابرِ کرم پیاسی چھاگل پیاسے لوگ
پتھر کی سوغات لئے جاذبؔ آئے اپنے لوگ

مرے ہاتھوں میں یقیں کا کوئی شانہ ہی نہیں وہم کی الجھی ہوئی زلف سنواروں کیسے
زخم،احساس، تری یاد، معاشی الجھن بن گئے ہیں مرے احباب یہ چاروں کیسے

چمن میں بس گیا صیاد کوئی پرندہ آ گیا ہے یاد کوئی
دھوپ جلائے گی کب تک سورج آخر ڈھلتے ہیں
کر کے روشن دیئے فصیلوں پر رخ ہواؤں کے جان لیتا ہوں
لن ترانی تو ہو چکی جاذبؔ لطف راز و نیاز باقی ہے
پیمبر روشنی کے تم کہاں ہو اندھیروں میں ہے آدم زاد کوئی

جب زمانے میں گھٹاٹوپ اندھیرے چھائے
آسمانوں سے ہدایت کا اجالا اترا

مختصر یہ کہ شعیب جاذبؔ عصر حاضر کا ایک نمائندہ شاعر ہے اور عصری آگہی سے مالا مال شعور سخن کے ساتھ محفلِ شعر ادب میں ایک گلدستہ جمال لے کر آیا ہے۔

منفرد اسلوب کا شاعر

سلیم اختر ندیم۔ مولف دشتِ نینوا، (قافع نگار اخبار ارت)

استاذم حضرت نسیم لیہ مرحوم کے شاگرد رشید پروفیسر جعفر بلوچ کے شانہ بشانہ چلنے والا شاعر شعیب جاذبؔ جن کے دو مجموعہ ہائے سخن تفہیم الحسین (ایوارڈ یافتہ) اور خطیب نوکِ سناں منظر عام پر آ چکے ہیں جس میں انہوں نے ''مودتِ فی القربی'' کا حق ادا کیا ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''ارمغان حرم'' اشاعت کے آخری مراحل میں ہے۔ ماہنامہ غنیمت اوراق، فنون، سیپ، محفل، نیرنگ خیال، اردو زبان قلم قبیلہ، گل بکف، اور سیز انٹرنیشنل اور دیگر مؤقر جرائد میں ان کی غزلیات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ زیرِ نظر مجموعے ''پیاسی چھاگل پیاسے لوگ'' ان کی شعری کی قوس و قزح کا پیرہن ہے۔

موصوف عصر حاضر کی تابندہ غزلیات کا نام ہے۔ منفرد اسلوب کے باعث تاریخ ادب انہیں صدیوں اپنے اوراق پارینہ میں محفوظ رکھے گی۔

تاثرات زعمائے ادب

شعیب جاذبؔ نے بڑے شہروں میں جا کر بھی اپنا تشخص منوایا۔ایوارڈ تک حاصل کئے۔ رہن سہن قلندرانہ، مزاج درویشانہ شعیب جاذبؔ ''پیاسی چھاگل پیاسے لوگ'' میں اپنے منفرد لہجہ غزل کے ناطے اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ان کے کلام میں سلاست وروحانی، صنعتِ مراۃ النظیر، تکرار لفظی اور امیجری نمایاں ہے۔

شوکت علی شائق گورمانی ______ کروڑ

تحصیل کروڑ

ایک مدت سے بزرگ شاعر جناب شعیب جاذبؔ کے رشحات سخن پاکستان کے مؤقر جرائد میں نظر فروز ہوتے رہتے ہیں ان کا ہر شعر وجدانی صلاحتیں اجاگر کرتا ہے نت نئے قوافی، نئی ردیفیں، نئے مضامین کی چاشنی سے سرشار کرنا ان کی عادت ثانیہ ہے۔

رشید رشی۔ تونسہ شریف

شعیب جاذب کا کلام پاکستان بھر میں بیحد مقبول ہے ''پیاسی چھاگل پیاسے لوگ'' میں اُن کی شاہکار غزلیں شامل ہیں جو اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

رحیم بخش ملکانی جھوک اترا

ڈیرہ غازیخان

قرطاس تشکر

میٹرک 1959ء کے بعد میں نے ادبی شعور کے زینے پر قدم رکھا۔ جب سر پھرے طفل کی طرح زینے پر لڑکھڑانے لگا تو استاذم حضرت نسیم لیہ مرحوم ومغفور نے سہارا دیکر 1988ء میں مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ 2000ء میں میری پہلی تصنیف تفہیم الحسین ادارہ علم وفن پاکستان اسلام آباد نے شائع کی جسے آثار و افکار اکادی پاکستان کراچی نے ایوارڈ سے نواز کر میری حوصلہ افزائی کی۔ فی الوقت 8 مجموعہ ہائے غزل اور 6 مجموعہ ہائے نعت ومنقبات مدّون کر چکا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ غزلیات کا پہلا مجموعہ ''پیاسی چھاگل پیاسے لوگ'' سید کوثر حسین بخاری اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایجوکیشن ضلع لیہ کا مرہون منت ہوں اگر انکا خصوصی تعاون شامل حال نہ ہوتا تو 1960ء سے آج تک ادب کے نیل گگن کو گھورتا رہتا۔ اشاعتی ادارے ہمیشہ نئی کتابوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں وہ اپنے کرنٹ سرمائے کو خطرے کی دلدل میں نہیں دھکیلتے۔ یہ بھی حقیقت ہے اگر مشتاق احمد الیکٹریکل انجینئر اور سخن شناس حضرات معاونت نہ کرتے تو میرے ادبی افق پر کتاب ہذا کی اشاعت کا مہِ تاباں کبھی نہ جگمگاتا۔

پروفیسر مہر اختر وہاب کا بھی تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے گوناگوں مصروفیت کے باوجود مذکورہ مجموعہ غزل پر کھل کر محاکمہ کیا۔ علاوہ ازیں ان زعمائے ادب کا بھی مرہون کرم ہوں جنہوں نے اپنی بے لاگ سطور سے میری

حوصلہ افزائی کی اور مجھے صراط ادب پر چلنے کی تاکید کی۔ میں اور اپنے ان سخن شناش کرم فرماؤں بالخصوص حاجی محمد ناصر (ناصر نیوز ایجنسی کا بھی احسان مند ہوں جن کے تعاون سے میرا مجموعہ غزل اشاعت پذیر ہوا۔

دخترم ناذیہ رحیم ملکانی اور اپنی جان غزل صغریٰ شعیب جاذبؔ بھی لائق ستائش ہیں جنہوں نے مجھ جیسے چراغِ سحری کو مزید جگمگانے کی ہمت دلائی۔

فہرست سُخن شناس

1۔ مشتاق احمد الیکٹریکل انجینئر یحیٰ ٹیکسٹائل ملز ڈیرہ غازیخان

2۔ محمد اکرم وٹو ڈسٹرکٹ ناظر ڈی سی آفس ڈیرہ غازیخان

3۔ محمد ریاض قریشی الریاض الیکٹرونکس چوبارہ روڈ لیہ

4۔ امان اللہ خان چنگوانی ڈیرہ غازیخان

5۔ محمد شریف خان لسکانی ڈیرہ غازیخان

6۔ کامران کامی کمپوزر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ ۔لیہ

7۔ محمد اکرم بھٹی (فوٹوسٹیٹ) ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ ۔لیہ

8۔ میاں خادم حسین (رباعی خان)۔ لیہ

فہرست

○

کب کوئی لوری سنائے زلزلہ
خون کے آنسو رلائے زلزلہ
کب کسی کو سونپتا ہے قہقہے
کب کسی کا گھر بسائے زلزلہ
سسکیاں، آہ و فغاں، چیخ و بُکا
سن رہا ہے ہائے ہائے زلزلہ
اپنے لاوے کی بھڑکتی آگ سے
ہنستے بستے گھر جلائے زلزلہ
یہ کوئی عفریت ہے یا شیش ناگ
چار سو شعلے اُڑائے زلزلہ

خاک میں سب کو ملانے کے لئے

نت نئے خاکے بنائے زلزلہ

سینہ کوبی ہو رہی ہے جا بجا

یاس کے نوحے سنائے زلزلہ

گرِ گیا ہے ہر بشر کی آنکھ سے

آنکھ کس کس سے ملائے زلزلہ

جان تک دیتے ہیں سب شہرِ طرب

جب ذرا سا مسکرائے زلزلہ

ہاتھ سارے ہوگئے دستِ نگر

مثلِ حاتم پھر نہ آئے زلزلہ

روز کے جھٹکوں سے جاذب تنگ ہیں

بوریا بستر اُٹھائے زلزلہ

○

وجد میں جس روز آئے زلزلہ
گیت بربادی کے گائے زلزلہ
میزبانوں کی ضیافت کے لئے
آگیا ہے بن بلائے زلزلہ
جگمگاتے آنسوؤں کی بزم میں
راگ چیخوں کے سنائے زلزلہ
لغزشِ پا کھول دیتی ہے بھرم
بن پیئے جب ڈگمگائے زلزلہ
سر کے بل گرتے ہیں قصرِ زندگی
جب کہیں گردن اُٹھائے زلزلہ

گرِ پڑیں گی گٹھڑیاں ایمان کی
اب نہ ہم کو آزمائے زلزلہ

میں کھڑا ہوں وادیء احساس میں
شور کتنا ہی مچائے زلزلہ

چھوڑ جا تا ہے دراڑوں کے نشاں
جب کہیں پل بھر کو آئے زلزلہ

تھرتھرا اُٹھتے ہیں کوہِ عزم بھی
اپنا چہرہ جب دکھائے زلزلہ

ہم نے کیں آباد خیمہ بستیاں
کس لئے محشر اُٹھا ئے زلزلہ

اب تو جاذبؔ ہے دعا ہر ہونٹ پر
آٹھ اکتوبر نہ لا ئے زلزلہ

○

جا کے تھوڑی دور واپس اپنے گھر آیا ہوں میں
رینگتے لمحوں کے شانوں سے اُتر آیا ہوں میں

سانس کے آسیب رہتے تھے جہاں سایہ فگن
ان بھیانک راستوں سے اب گزر آیا ہوں میں

چڑھتے دریا سے گزرنا تو بہت دشوار تھا
کس سلیقے سے بھنور کے دوش پر آیا ہوں میں

ذات ہی کے خول سے باہر نکلنا تھا کٹھن
ایسا خنجر ہوں کہ خود کو کاٹ کر آیا ہوں میں

رولتا پھرتا ہوں کرچیں بانٹتا پھرتا ہوں زخم
کیسے شہرِ سنگ سے لے کر ثمر آیا ہوں میں

یوں ٹھٹھرتے جسم پر اب تک ہے چھاؤں کا اثر
جیسے کوئی اوڑھ کر برگِ شجر آیا ہوں میں

دل کے دروازے پہ دستک دے رہی ہے کس کی یاد
یہ جو روتی آنکھ کی مانند بھر آیا ہوں میں

یہ بلندی مجھ کو جاذبؔ کس قدر مہنگی پڑی
دیکھنے والوں کو اک تارا نظر آیا ہوں میں

○

شبِ تاریک کہاں آ کے اُجالے مجھ کو
کر نہ دے تیرہ گھپاؤں کے حوالے مجھ کو

دفترِ کاہکشاں شب کو کھلا رکھنا ہے
دودھیا چاند کے لکھنے ہیں مقالے مجھ کو

کوئی چنگاری نہیں ہوں کہ بھڑک اُٹھوں گا
راکھ کا پھول ہوں دامن میں چھپالے مجھ کو

دھوپ سے جلتی ہوئی ریت میں حدت تھی بہت
پیڑ کے سائے میں لے آئے ہیں چھالے مجھ کو

لاش سورج کی برہنہ میں شفق کی چادر
وہ کفن کی طرح میت پہ نہ ڈالے مجھ کو

قید ہوں جسم کے زندان میں اک مدت سے
اب مری سانس ہی زنداں سے نکالے مجھ کو

تری دہلیزِ عطا پر جو رہے ہیں خالی
توڑنے ہیں انہیں کاسوں کے پیالے مجھ کو

ترے کھیتوں کے لبوں پر تو تبسم ہی نہیں
میں تو سرسوں ہوں ہتھیلی پہ سجا لے مجھ کو

چرچرائی ہے مرے جسم کی مٹی جاذبؔ
اب تو اس دہر کی مٹی میں ملا لے مجھ کو

○

چلتے چلتے کہیں سارباں رہ گیا
دشت پرخار میں کارواں رہ گیا

بادِ باراں گئی، گُل سے خوشبو گئی
مکڑیوں کے لئے گلستاں رہ گیا

کتنے جگنو ہیں مشعل اُٹھائے ہوئے
قافلہ روشنی کا کہاں رہ گیا

مندمل ہو گئے زخم انسان کے
لوحِ احساس پر اک نشاں رہ گیا

جونک پیتی رہی پتھروں کا لہو
سنگدل بھی یہاں نیم جاں رہ گیا

دستِ امواج میں کشتیاں گھر گئیں

ناخداؤ کہاں بادباں رہ گیا

چاند بھی بجھ گیا ابر کی پھونک سے

شب کے آنگن میں اُڑتا دھواں رہ گیا

آندھیوں نے اُڑائی مرے گھر کی چھت

میرے سر پہ کھلا آسماں رہ گیا

خطِ تنسیخ سے کیا ملے روشنی

شہرِ تفہیم وقفِ گماں رہ گیا

نقشِ پا چاٹ کر آندھیاں چل بسیں

دشت میں کس کا پائے نشاں رہ گیا

سارے لہجوں کو موت آ گئی آخرش

صرف جاذبؔ کا طرزِ بیاں رہ گیا

○

سفید دودھ سے اس کا بدن زیادہ ہے
وہ چاند سے بھی کہیں سیم تن زیادہ ہے

غزل کے روپ میں اس نے اگل دئے موتی
صدف کا مجھ سے مذاقِ سخن زیادہ ہے

تمہارے نور کی کرچیں تو چن بھی سکتا ہوں
مری نگاہ میں ان کی چبھن زیادہ ہے

یہ اور بات کہ یہ بے لباس ہے، ورنہ
برہنگی میں بھی بھڑکیلا پن زیادہ ہے

اس لئے تو میں اشکوں سے پیار کرتا ہوں
مہِ تمام سے انکی کرن زیادہ ہے

زباں کے ہوتے ہوئے بھی زبان ہے ساکت
صدا کے شہر میں شاہد گھٹن زیادہ ہے

برس رہی ہے مگر کیا خموش ہے بارش
گرجتا ابر دریدہ دہن زیادہ ہے

دہک رہا ہے چمن میں الاؤ شبنم کا
کہ جسکی شعلہء گُل سے جلن زیادہ ہے

نکل کے پھول سے خوشبو نے سچ کہا جاذبؔ
سفر تو دور نہیں ہے تھکن زیادہ ہے

○

عجیب بات ہے ملبوس جس کا سادہ تھا
وہ ارمغانِ محبت کا شہزادہ تھا

خود اس کا جسم چباتے تھے بھوک کے جبڑے
تھا تنگ دست بہت اس کا دل کشادہ تھا

اس لئے تو منازل پہ دیر سے پہنچا
رہِ سفر میں کوئی شخص پا پیادہ تھا

بھلا وہ کیسے رہِ مستقیم پر چلتا
کہ اس کی سوچ کا ہر زاویہ تو حادہ تھا

وہی ہے ڈوبتا سورج وہی ہے شامِ الم
لبِ شفق اِنہیں اسباق کا اعادہ تھا

جو شخص برگدی چھاؤں کو چھیڑتا تھا بہت
اسے قریب سے دیکھا تو مہرزادہ تھا

یہ اور بات کہ اس کا تھا زخم زخم بدن
گلاب جسم پہ اک احمریں لبادہ تھا

قدم الجھتے رہے خارزار راہوں سے
یہ کس طرح کا سفر تھا یہ کیسا جادہ تھا

سسکتی آنکھ میں خرمن تھا اشک ریزوں کا
یہی ذخیرہ مرے کھیت میں زیادہ تھا

جو اپنی ذات مسخر نہ کر سکا جاذبؔ
اب اسکا زحل کی تسخیر کا ارادہ تھا

○

خود رقیبی میں تجھے خود سے بھی کٹ کر دیکھوں
ترے چہرے کو زمانے سے میں ہٹ کر دیکھوں

بیٹھے بیٹھے تری بے ساختہ یاد آئی ہے
کیوں نہ اس مالِ غنیمت پہ جھپٹ کر دیکھوں

گھنگرو پاؤں میں گو باندھ کے آئے ماضی
ایک لمحے کے لئے بھی نہ پلٹ کر دیکھوں

کون اِس گردِ سفر میں مجھے پہچانے گا
تیرے قدموں سے اُڑی دُھول میں اٹ کر دیکھوں

خود بخود چہرۂ مفہوم مہک اُٹھے گا
پہلے الفاظ کے گھونگھٹ تو الٹ کر دیکھوں

سیدھی شاہوں کے قصائد پہ نظر پڑتی ہے
جب بھی تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھوں

قفلِ اظہار ہواؤں کا ہے گنبد جاذب
میں صداقت کا غبارہ ہوں تو پھٹ کر دیکھوں

○

اک سانپ ڈنک مار کے یکسر الٹ گیا
میرا وجود سبز حرارت سے پھٹ گیا

آندھی اُڑا کے ریت فلک پر چلی گئی
گردوں زمیں کی گرد سے اس بار اٹ گیا

سورج نے میرے سر پہ جو تلوار سونت لی
سایہ مرے وجود سے آ کر پلٹ گیا

اشکوں کی ایک سطر بھی میں نے پڑھی نہ تھی
پہلا ورق بیاضِ سحر کا الٹ گیا

افسوس اُن کی یاد کا رنگین قافلہ
قوسِ قزح کے موڑ پہ آکر پلٹ گیا

آیا کبھی خیال جو اپنی شکست کا
اپنا وجود آ کے مقابل میں ڈٹ گیا

جاذبؔ کوئی بھی معرکہ اس سے ہوا نہ سر
وہ خود وفا کی سرحدِ امکاں سے ہٹ گیا

○

اگر وہ طاعتِ انجیل کرتے
صلیبیں وقت کی تبدیل کرتے

گلستانِ وفا کے مشک و عنبر
ہم اپنی سانس میں تحلیل کرتے

اگر تیرا گھروندا جگمگاتا
فروزاں آس کی قندیل کرتے

سفر میں ہمسفر کوئی نہیں تھا
سفر کیسے ہزاروں میل کرتے

اگر سانسوں کی قیمت بڑھ گئی تھی
کرائے کا مکاں تبدیل کرتے

ستارے جاں چھڑکتے روشنی پر
سحر کے حکم کی تعمیل کرتے

کہاں موسے ہیں میری زندگی کے
ستمگر کو سپردِ نیل کرتے

تیرے جاذب تجسس کے قلم سے
کتابِ ذات کی تکمیل کرتے

○

سحر کے کھیت میں سرسوں کی مثل پھولی ہے
جو کہکشاں مری پلکوں پہ آ کے جھولی ہے

کسی اُجاڑنگر میں وہ گریہ زن ہو گی
بھٹکتی روشنی جو گھر کی راہ بھولی ہے

کسی نے شوق سے جلوے لُنڈھائے ہیں شب بھر
کسی نے شوق سے یہ چاندنی قبولی ہے

میں دیکھتا ہی رہا جس کو "پینگ" کی صورت
وہ خود ہی پیڑ کی بانہوں میں آ کے جھولی ہے

بلندیوں پہ مرا ہاتھ اِس طرح لپکا
کہ جس طرح رگِ جبریل میں نے چھولی ہے

زمانہ موت سے منسوب جس کو کرتا ہے
وہ قرضِ جاں کی نہایت گراں وصولی ہے

ترے لئے تو قضا بھی ہے ایک تاج محل
مرے لئے تو مری زندگی بھی سولی ہے

جو دیکھتا ہوں تو کتنا عجیب ہے جاذب
جو سوچتا ہوں تو یہ آدمی اصولی ہے

○

سحر جب آنکھ ملتی ہے
گجر کی بات چلتی ہے

سمندر کی عدالت میں
بھنور کی جاں نکلتی ہے

چمن کی شوخ مجمر میں
گلابی آگ جلتی ہے

مچلتی لہر ساحل پر
کفِ افسوس ملتی ہے

دھنک اُن سرخ گالوں کی
کئی پہلو بدلتی ہے

کوئی ہے رازِ سربستہ
جو تنہائی اُگلتی ہے

گلوں کی سرخرو پگڑی
سرِ گلشن اچھلتی ہے

ہے کیسی برف پربت پر
جو صدیوں سے پگھلتی ہے

کرن انکے دریچے سے
دبے پاؤں نکلتی ہے

ہے کیسی روشنی جاذب
جو نت سورج بدلتی ہے

○

آج پھر اونگھتا احساس جگایا میں نے
سانپ کے سر پہ نیا دیپ جلایا میں نے

آ بسے سانس کے عفریت مرے سینے میں
کیا فسوں پھونک دیا اب کے خدایا میں نے

میری پلکوں پہ خود مچلتی ہے ہرے زخم کی آنچ
گرم سیخوں پہ کبابوں کو پکایا میں نے

آج تا دیر ستاروں نے مرا ساتھ دیا
اجلے آنگن میں بڑا جشن منایا میں نے

اب تو سورج سے ٹپکتی ہے ترے پیار کی اوس
جب سے اوڑھا تری دیوار کا سایا میں نے

یاد آیا ہے سلگتی ہوئی کٹیا کا دیا
جب دھواں برف سے اڑتے ہوئے پایا میں نے

پھر بھی میں دست شناسوں کی نظر نہ بچا
جتنا ہاتھوں کی لکیروں کو چھپایا میں نے

پہلے کاغذ کو نم آلود کیا اشکوں سے
پھر کہیں جا کے تر انقش بنایا میں نے

اب تو مہتاب بھی لگتا ہے کبوتر کی طرح
جیسے سچ مچ اسے ہاتھوں سے اُڑایا میں نے

اپنے ہی سائے سے ہر بار تقابل کر کے
اپنے ہی قد کو کئی بار گھٹایا میں نے

اس نے ابلیس کو ٹھکرانا کہاں تھا جاذبؔ
یہ وہ نکتہ ہے جو یزداں کو سجھایا میں نے

○

اب گیسوؤں سے جان چھڑانے لگا ہوں میں
اشعارِ ہر غزل کے گھٹانے لگا ہوں میں

بکھری پڑی تھیں جو چمنِ انتظار میں
اُن سرخ گٹھڑیوں کو اُٹھانے لگا ہوں میں

جس رہگزر میں تیرگی منزل دھواں دھواں
اس رہگزر پہ دیپ جلانے لگا ہوں میں

مایوس کھنڈروں میں ہیں ویرانیاں بہت
ویرانیوں سے گھر کو بسانے لگا ہوں میں

خودمارِ آستین سرک جائینگے کہیں
جب اپنی آستین چھپانے لگا ہوں میں

سورج کی تیز دھوپ جلانے لگی ہے پھر
بادل کے سائبان میں آنے لگا ہوں میں

طوفان میری آنکھ کے کوزے میں بند ہیں
کوزے سے بحرِ تُند بہانے لگا ہوں میں

جو کہکشاں کے صحن میں رقصاں رہی سدا
اُس دودھیا غبار میں جانے لگا ہوں میں

جنکی لووں سے عرش کی پلکیں چمک اٹھیں
آہوں کے وہ چراغ جلانے لگا ہوں میں

جاذبؔ بپھرتی دھوپ کی لہروں میں ہے مزہ
دریائے بیکراں میں نہانے لگا ہوں میں

دشتِ خوشبو میں صداؤں کو ابھارا کس نے
نئی آواز کے چہرے کو نکھارا کس نے

اپنی بیساکھیاں ہی آج مرے کام آئیں
گرتے پڑتے کو دیا آ کے سہارا کس نے

اپنی سانسیں تھیں سلگتے ہوئے سورج کی طرح
زندگی تجھ کو نئے ڈھب سے گزارا کس نے

زہر جو چھوڑ گیا تھا نئی شریانوں میں
کلبلاتے ہوئے اس سانپ کو مارا کس نے

وہ کسی ٹھٹھری ہوئی لاش کی صورت تو نہ تھا
اُس کو حالات کے مدفن میں اتارا کس نے

فکر کے ہاتھ میں پہچان کا شانہ لے کر
چہرۂ وقت کی زلفوں کو سنوارا کس نے

تنگدستی میں جہاں کام نہ آئے اپنے
آخرش ساتھ دیا آ کے تمہارا کس نے

بازی گر کی طرح اس شہر کا مکار تھا وہ
پیکرِ کذب کو شیشے میں اتارا کس نے

ہم تو ڈوبے ہی رہے اپنے لہو میں جاذبؔ
مندمل زخم کے سورج کو ابھارا کس نے

○

حُسنِ فطرت ترے چہرے کو نکھاروں کیسے
شبنمی آئینے میں عکس اتاروں کیسے

میرے ہاتھوں میں یقیں کا کوئی شانہ ہی نہیں
وہم کی اُلجھی ہوئی زلف سنواروں کیسے

نیلگوں جھیل مرے ہاتھ میں کنکر ہی نہیں
پُرسکوں آب پہ پھر نقش ابھاروں کیسے

زخم، احساس، تیری یاد، معاشی اُلجھن
بن گئے ہیں مرے احباب یہ چاروں کیسے

میں نے خوبانِ گلستان کے لب چومے تھے
اب مری روح میں ہیں زخم ہزاروں کیسے

سانس کے سانپ کی پھنکار بھی زہریلی ہے
سانس کا زہر میں رگ رگ میں اتاروں کیسے

زندگی تیری عنایات کا ہے قرض بہت
چند سانسوں میں ترا قرض اتاروں کیسے

مری آواز کا پیکر ہے خلا کا گنبد
اپنی محبوس صداؤں کو پکاروں کیسے

وقت کی مدوجزر سے ہوں پریشاں جاذبؔ
پاؤں بہتی ہوئی چادر پہ پساروں کیسے

○

شہریلوں کی تجھے کچھ ہو خبر گردِ سفر
کتنا باقی رہ گیا میرا سفر گردِ سفر

سرحدِ امکان سے آگے بہت ہی دھند ہے
جستجو کے قافلے دیکھے جدھر گردِ سفر

خواب میں تو خواہشوں کے قافلے چلتے رہے
آنکھ جب کھول وہی تھی رہگزر گردِ سفر

زندگی بھر جو منازل کے تعاقب میں رہا
اس مسافر کے ہے جسم و جان پر گردِ سفر

میرے سر پر ایسے منڈلانے لگا ابرِ غبار
جیسے میرا ساتھ دیگی عمر بھر گردِ سفر

ڈوبتے سورج کے قدموں کے نشاں اب ہیں کہاں
کہکشاں کے دشت میں ہے کسقدر رگرِدِ سفر

دے گئی ہے جاتے جاتے اُجلی منزل کا نشاں
کر گئی احسان کچھ لوگوں کے سر گردِ سفر

کوئی دھندلا سا بھی نقشِ پا نظر آتا نہیں
جم گئی ہے جستجو کی راہ پر گردِ سفر

سخت پہرے لگ گئے بینائیوں کے شہر میں
روز چھاپے مارتی تھی دربدر گردِ سفر

میں نے جاذبؔ منزلوں کا کچھ پتہ پوچھا نہیں
کس لئے جانے لگی افلاک پر گردِ سفر

○

شام شفق کا گھر دیکھیں گے
شعلوں کے منظر دیکھیں گے

لمحوں کے غرفے میں پنچھی
کب تک بکھرے پر دیکھیں گے

ٹہنی کے پُرخار سروں پر
پھولوں کے بستر دیکھیں گے

کتنا اُجلا ہے آئینہ
پہلے پس منظر دیکھیں گے

ملاحوں کے ہاتھوں میں بھی
لہروں کے خنجر دیکھیں گے

شوخ صبا کے پیچھے پیچھے
خوشبو کے لشکر دیکھیں گے

اُتنے پھیلائیں گے پاؤں
ہم جتنی چادر دیکھیں گے

تیرگیوں کی انگنائی میں
جلووں کے پیکر دیکھیں گے

اُس دیوار کی ڈھلتی چھاؤں
کب اپنے در پر دیکھیں گے

پلکوں کے نیزوں پہ جاذبؔ
اُجلے اُجلے سر دیکھیں گے

○

بادبانوں کے بہت کسب و ہنر دیکھیں گے
جب سمندر میں نئے مدوجزر دیکھیں گے

چاند ڈوبے گا کبھی مہر شفق ڈوبے گا
اس تماشے کا اثر شام وسحر دیکھیں گے

کیسے پلکوں کی منڈیروں پہ اُٹھیں دیواریں
لوگ پانی پہ بسائے ہوئے گھر دیکھیں گے

پھول بکھرے ہوئے دیکھیں گے ہر اک رستے پر
پاؤں کے چھالے کہاں راہ گزر دیکھیں گے

کشتیاں رُکنے لگی ہیں جو درِ ساحل پر
تند دریاؤں میں اتریں گے بھنور دیکھیں گے

پیار کی دھوپ سے مانوس ہیں اک مدت سے
تیرتا سایۂ دیوار کدھر دیکھیں گے

آج ہی مصر کے بازار چلے ہیں جاذب
شہریاروں کو بہ اندازِ دِگر دیکھیں گے

○

تنہائی میں صحیفہء فانی پڑھا کرو
لفظوں میں جو نہاں ہیں معانی پڑھا کرو

گھر کی نئی فصیل سجانے سے پیشتر
بجھتے دِیوں کی دکھتی کہانی پڑھا کرو

زخموں کو محض دل میں چھپانے کا فائدہ
احباب دے گئے جو نشانی پڑھا کرو

بے اِنتہا مواد ملے گا نگاہ کو
سنجیدگی سے لوحِ جوانی پڑھا کرو

ہر شخص ایک لاش ہے ہر سانس اک کفن
ہستی کا یہ بھی دفترِ فانی پڑھا کرو

دریا اُتر گیا ہے مگر دیکھنا یہ ہے
کیا لکھ گیا ہے ریت پہ پانی پڑھا کرو

مغرور بادلوں سے کوئی جا کے یہ کہے
صحراؤں کی بھی تشنہ دہانی پڑھا کرو

یہ میرا مشورہ ہے زمانے کا ہر سبق
مثلِ حُفاظ تم بھی زبانی پڑھا کرو

دامن میں آگریں گے نئے تجربوں کے پھول
پڑھنے کو تم کتاب پرانی پڑھا کرو

تاریخ پر تو وقت نے پہرے بٹھا دئے
لکھ لکھ کے اپنی رام کہانی پڑھا کرو

اشکوں کی روشنی ہے بڑی جاذبِ نظر
رُت ہے غموں کی کتنی سہانی پڑھا کرو

○

آنکھوں میں کسی تشنہ لبی کو بھی لیا کر
صحراؤں کی حالت پہ کبھی رو بھی لیا کر

خوشبو سے اگر پھول کے رخسار ہیں میلے
احساس کی کرنوں سے انہیں دھو بھی لیا کر

بے کیف نہیں دل کے یہ ٹوٹے ہوئے رشتے
ان کرچیوں پہ آ کے کبھی سو بھی لیا کر

گر روح کی کھیتی تری سنسان پڑی ہے
زخموں کے نئے بیج یہاں بو بھی لیا کر

دانستہ کبھی شب کے ستاروں کو جھٹک کر
آغوش میں انوارِ سحر کو بھی لیا کر

ہیں نرم بہت ریت کے پھیلے ہوئے ذرے
اِن اطلس و کمخواب پہ خود سو بھی لیا کر

جذبات کا اظہار گرج پر نہیں موقوف
موقع ہو تو برکھا کی طرح رو بھی لیا کر

منڈلائی ہے جاذبؔ جو ترے دشتِ غزل میں
اس گرد کے ہمراہ کبھی ہو بھی لیا کر

○

سلگتی رات میں سپنے تلاش کر لیتا
محبتوں کے جزیرے تلاش کر لیتا

نشان سارے مٹاتا میں اپنے ہاتھوں سے
ترے نشان سے رستے تلاش کر لیتا

مہک کے جہاں دیپ گنگناتے ہیں
وہ خوشبوؤں کے دریچے تلاش کر لیتا

سمندروں نے جنہیں سلوٹوں میں بند کیا
میں سیپیوں کے اُجالے تلاش کر لیتا

نئی ادا سے جہاں تیرا بچپنا گزرا
تری مہک سے وہ کوچے تلاش کر لیتا

تعصّبات کے دریا میں جو بہائے گئے
سسکتی ماں کے وہ بیٹے تلاش کر لیتا

عجب نہیں ہے کہ جاذبؔ خزاں کے موسم میں
لبِ بہار کے شعلے تلاش کر لیتا

○

دھوئیں کی گود میں گر اپنی پرورش ہوتی
تو اپنی زندگی سگرٹ کا ایک کش ہوتی

اگر تو پھینکتا سوچوں کے ہاتھ سے کنکر
اُداس جھیل بھی کچھ دیر مرتعش ہوتی

سحر کے بعد بھی شبنم کے دیپ جل اٹھتے
اگر صباؤں کی مشعل روش روش ہوتی

کوئی خراش بھی آتی اُس آئینہ رُو کو
وجود کا نپتا اور روح مرتعش ہوتی

ضرور برگدی چھاؤں کو چومنے آتا
سلگتی دھوپ کی ملکہ جو پرُکشش ہوتی

مسافروں پہ منازل کے راستے کھلتے
جو کرچیوں میں کہیں لذتِ خلش ہوتی

میں ایک عمر سے جاذبؔ اس انتظار میں ہوں
خزاں کے ہاتھ سے پھولوں کی پرورش ہوتی

○

مسافر دھوپ میں چلنے لگے ہیں
سفر کے کرب میں جلنے لگے ہیں

سلگتے مہر کی نفرت کے سائے
نئی دیوار سے ڈھلنے لگے ہیں

بہ فیضِ موج آوارہ سفینے
بھنور کی گود میں پلنے لگے ہیں

بجورِ کرب کے مدِ و جزائر
کفِ افسوس بھی ملنے لگے ہیں

سنا ہے اُجلی آنکھوں کے صدف میں
گہر احساس کے پلنے لگے ہیں

کچھ ایسے زندگی گزری ہے اپنی
کہ جیسے نیند میں چلنے لگے ہیں

غموں کے بڑ بڑاتے ابر پارے
ہمارے سر سے کب ٹلنے لگے ہیں

نکھرتے وقت کے سورج ہیں جاذبؔ
ہے پچھلا پہر اب ڈھلنے لگے ہیں

○

سلگتے دشت میں جلتا کہاں تک
مسافر دھوپ میں چلتا کہاں تک

کہیں بھی حبس کی بارش نہ برسی
بگولہ پھولتا پھلتا کہاں تک

شجر طوفان کے تھمنے پہ چپ ہے
کفِ افسوس بھی ملتا کہاں تک

غمِ احساس کے سورج کا سایہ
کسی دیوار سے ڈھلتا کہاں تک

دمکتا دیپ بھی محرابِ شب میں
سحر کے سامنے جلتا کہاں تک

نکل آیا صدف کی زندگی سے
گہر اِس حبس میں پلتا کہاں تک

منازِل کے تمنائی نہ پہنچے
چراغِ رہگزر جلتا کہاں تک

غموں کا کلبلاتا ابر جاذبؔ
سرِ مظلوم سے ٹلتا کہاں تک

○

جب منازل کی ٹھان لیتا ہوں
سر پہ سورج کو تان لیتا ہوں

کر کے روشن دیے فصیلوں پر
رُخ ہواؤں کے جان لیتا ہوں

جنگ کرتا ہوں جب خزاؤں سے
شاخِ گل کی کمان لیتا ہوں

لہر کیوں پیٹتی ہے سر اپنا
جب بھنور کی امان لیتا ہوں

بھیڑ جتنی ہو ریگزاروں میں
نقشِ پا اُن کے جان لیتا ہوں

دھوپ جب سر پہ چلچلاتی ہے
سر پہ ہاتھوں کو تان لیتا ہوں

ساتھ دیتی ہے میرا تنہائی
شہر میں جب مکان لیتا ہوں

دھوپ کیوں شرمسار ہوتی ہے
سر پہ جب سائبان لیتا ہوں

میرے اندر کا آدمی جاذب
جو بھی کہتا ہے مان لیتا ہوں

○

پھر پھولوں کی نبض ٹٹو لے
پہلے خوشبو کے پر کھو لے

اس کی ٹھنتی ہے صر صر سے
ہاتھوں میں قندیلیں جو لے

ریشمی پیکر ہیں آنگن میں
کرن کرن مہتاب کی بو لے

دیپ چنار کے جل اٹھیں گے
پہلے آدھی رات تو ہو لے

ساری رات وہ بادل برسا
ساری رات پڑے ہیں اولے

مہنگائی کے سانپ لبوں پر
کون یہاں اپنے لب کھولے

تجھ کو اپنے نقش دکھاؤں
پہلے میرے ساتھ تو ہولے

بھاری بھرکم ہجر کی راتیں
کون انہیں میزان پہ تولے

آیا خوابوں کا شہزادہ
کاگا دیواروں پہ بولے

یوں اٹھیں سانسوں کی لہریں
کشتی کھاتی ہے ہچکولے

جاذبؔ رات سہانی آئی
مٹیاروں نے گائے ڈھولے

○

در لبوں کا کھولنا اچھا نہیں
بے محابا بولنا اچھا نہیں

سرمئی آنکھیں ہیں چاہت کے لئے
اشک ان میں رولنا اچھا نہیں

نرگسی ساغر ہیں مستی کے لئے
زہر ان میں گھولنا اچھا نہیں

جن میں بکتا ہے لہو انسان کا
وہ دکانیں کھولنا اچھا نہیں

گر پڑو گے سر میں چوٹ آجائیگی
مہ وشوں کا ڈولنا اچھا نہیں

بے حمیت کانچ کے گلدان کا
تتلیوں سے بولنا اچھا نہیں

شہرِ گُل میں خار کے میزان پر
خوشبوؤں کو تولنا اچھا نہیں

کیوں لکیریں پڑھ رہے ہو ہاتھ کی
رازِ ہستی کھولنا اچھا نہیں

آپ ہی تو ہیں اُجالوں کے امیں
تیرگی سے بولنا اچھا نہیں

زندگی جاذبؔ ہے قرنوں پر محیط
چند لمحے تولنا اچھا نہیں

○

مجھ سے اتنا حضور ہو نہ سکا
سانس کا پل عبور ہو نہ سکا

اپنے اندر دیے جلائے بہت
پھر بھی آنگن میں نور ہو نہ سکا

کہر میں چھپ گئی لبوں کی سحر
مہرِ نو کا ظہور ہو نہ سکا

مرے خوں کی مہک ہی ایسی تھی
سانپ شاخوں سے دور ہو نہ سکا

بات کی میں نے استعاروں میں
جس کا اس کو شعور ہو نہ سکا

تُف ہے پتھر کی ذات پر جس سے

آئینہ چور چور ہو نہ سکا

اسکا مسکن رہا سمندر پار

پھر بھی وہ دل سے دور ہو نہ سکا

ظلمتِ جہل پھیل جائیگی

گر فروغِ شعور ہو نہ سکا

میرا قاتل بری ہوا جاذبؔ

اس کا ثابت قصور ہو نہ سکا

○

دیپ اُجالیں گے ہوا بھی ہو گی
لو بھڑکنے کی نوا بھی ہو گی

شرم سے ہاتھ چھپانے والے
ترے ہاتھوں پہ حنا بھی ہو گی

وہ مخیّر ہیں تو انکے در پر
کچھ فقیروں کی صدا بھی ہو گی

چمپئی لہر ، ہوا، ابرِ رواں
دھوپ چھاؤں کی ادا بھی ہو گی

یونہی کٹتا نہیں پھولوں کا گلا
اس میں تحریکِ صبا بھی ہو گی

سرخ ہاتھوں میں چمکتا خنجر
آج تجدیدِ جفا بھی ہو گی

سجدۂ آخرِ شب کے خوگر
پرسشِ روزِ جزا بھی ہو گی
ذکرِ تسبیح کریں اشک اگر
ہونٹ پہ حمد و ثنا بھی ہو گی
قتلِ جاذبؔ پہ جو آمادہ ہیں
اُن کے ہونٹوں پہ دعا بھی ہو گی

○

اُن پہ طاری کس طرح سکتے ہوئے
وصل کے جو ذائقے چکھتے رہے
جو ستارے رات کی پلکوں پہ تھے
صبح کی جھالر میں بھی ٹکتے رہے
وہ ہوا کو مخبری کرتے رہے
ہم فصیلوں پر دئے رکھتے رہے
کرچیوں کی راہ میں چلتے کہاں
پھول کے رستوں میں جو تھکتے رہے

ہے اُنہیں سورج کے سائے کی تلاش
وہم کی سرحد کو جو تکتے رہے
جس قدر سائے بڑھاتے تھے قدم
روشنی کے فاصلے گھٹتے رہے
ہم تو جاذب طائرِ مہتاب کو
بادلوں کی اوٹ سے تکتے رہے

○

امرت کی طرح زہر بھی پی لیتے ہیں کچھ لوگ
خود اپنا لہو چاٹ کے جی لیتے ہیں کچھ لوگ

کیوں تیز ہواؤں میں اڑاتے ہیں پتنگیں
کیوں مول نئی دردسری لیتے ہیں کچھ لوگ

پھر بھی نظر آتی نہیں چہروں کی خراشیں
جب آئینہ ہاتھوں میں کبھی لیتے ہیں کچھ لوگ

جو کل تھی قبیلوں میں بزرگی کی علامت
سر پر وہی دستار ابھی لیتے ہیں کچھ لوگ

ممکن ہے کہیں برسے نئے عطر کا بادل
مہکے ہوئے پھولوں کی گلی لیتے ہیں کچھ لوگ

جو نیم شبی میں شبِ دیجور نے دیکھا
اس خواب کی تعبیر نئی لیتے ہیں کچھ لوگ

کل حق کے لئے خون کے چھینٹوں میں زباں تھی
اب حق کے لئے ہونٹ بھی سی لیتے کچھ لوگ

ہنستے ہوئے ہونٹوں سے ملی زہرِ ہلا ہل
آنکھوں سے ہی اب خندہ لبی لیتے کچھ لوگ

اس دور میں اک ہم ہی جنوں کیش ہیں جاذبؔ
اب ہم سے ہی شوریدہ سری لیتے ہیں کچھ لوگ

○

اک شہتوت کے نیچے لوگ
گہری سوچ میں ڈوبے لوگ

راکھ بہائیں گے کس کی
مرگھٹ پر ہیں کتنے لوگ

کیوں ہیں تیز شعاعوں میں
چھاؤں میں ستاتے لوگ

خندق کھودنے آئے ہیں
میرے گرد سیانے لوگ

بن کر آندھی نفرت کی
آئے گرد اُڑانے لوگ

شاید منزل مل جائے
ڈھونڈھ رہے ہیں رستے لوگ

زہرِ ہلاہل رکھتے ہیں
زیرِ کف ہیں جتنے لوگ

سورج آگے آگے ہے
ان کے پیچھے پیچھے لوگ

کب پانی سے بجھتے ہیں
جب بھڑکائیں شعلے لوگ

دیکھ رہا ہے ابرِ کرم
پیاسی چھاگل پیاسے لوگ

پتھر کی سوغات لئے
جاذبؔ آئے اپنے لوگ

○

چمن میں بس گیا صیاد کوئی
پرندہ آ گیا ہے یاد کوئی

ہے اک مدت سے کھنڈر قصرِ شیریں
نظر آتا نہیں فرہاد کوئی

نہیں ہے عدل کی زنجیر کب سے
کرے گا اب کہاں فریاد کوئی

مری شہ رگ کا تازہ خون پینے
نظر آنے لگا جلاد کوئی

پیمبر روشنی کے تم کہاں ہو
اندھیروں میں ہے آدم زاد کوئی

پرندے آسماں پر اڑ رہے ہیں
مگر ہے مطمئن صیاد کوئی

کوئی تو مر چکا ہے زندگی میں
ہوا ہے مر کے زندہ باد کوئی

ہو گر پائے عقیدت میں حرارت
پھلانگے سرحدِ الحاد کوئی

اجالے بانٹتا پھرتا ہے گھر گھر
فلک کے دیس کا بہزاد کوئی

کبھی خارِ مغیلاں سے نہ الجھا
ترا جاذبؔ بھی ہے استاد کوئی

○

دشتِ احساس میں جب یاس کا پالا اترا
چاند اترا نہ کہیں چاند کا ہالہ ترا

چار سو باغ میں ہر برگ کی چیخیں اٹھیں
لبِ اشجار سے کس کرب کا تالا اترا

یا حوادث نے مجھے کھل کے اذیت دی ہے
یا مرے حلق میں اک خشک نوالہ اترا

یاس کے تار جو اترے تو ہوئے آسودہ
غرفہء ذہن سے اک وہم کا جالا اترا

اب نئے پھول اگائیں گے نئی دھرتی پر
شاخِ گلشن سے یہی سوچ کے لالہ اترا

کیسا ملاح تھا جو پاس کے دریاؤں میں
کشتئ جان کو کر کے تہ وبالا اترا

کھیتیاں پھوٹ کے روتی ہیں بھری بارش میں
شانہ ابر سے کس فکر کا ژالہ اترا

جب زمانے میں گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے
آسمانوں سے ہدایت کا اجالا اترا

وادیوں نے کئی طوفان اٹھائے جاذبؔ
جب پہاڑوں سے پگھل کر کوئی گالا اترا

○

مہرِ چرخِ فراز باقی ہے
روشنی کا جواز باقی ہے

بربطِ کائنات نغمہ گُناں
فنِ آہنگ و ساز باقی ہے

رخِ ہستی پہ کچھ خراشیں ہیں
کوئی ناخن دراز باقی ہے

مسکراہٹ ہے دار کے رخ پر
کیا کہیں جلد باز باقی ہے

ہیں مناظر میں کتنے پس منظر
رنگِ آئینہ ساز باقی ہے

چاندنی کا بھرم نہ کھل جائے
لبِ فطرت پہ راز باقی ہے

ڈھلتے سورج ابھی شفق میں نہ جا
عصرِ نو کی نماز باقی ہے

لن ترانی تو ہو چکی جاذبؔ
لطفِ راز و نیاز باقی ہے

○

سلگتا چاند بھی شب تاختہ ہے
دہکتی شام سے دل باختہ ہے

کبھی تو لمحہ بھر وہ کان دھرتا
کوئی صحرا صدا پرداختہ ہے

گلوں کے ہاتھ سے اکدن اڑیگی
جو خوشبو برگِ گُل کی فاختہ ہے

کہاں ویران ہے برگد کی چھاؤں
مسافر خود خلل انداختہ ہے

خود اپنی روح کے محبس میں کوئی
برس بیتے صدا پرداختہ ہے
غزل میں منفرد انداز اپنا
مرا ہر شعر ہی خود ساختہ ہے
اسی برتے پہ ہے خاموش جاذبؔ
لبوں کی شاخ پر اک فاختہ ہے

○

آندھیوں کی سلوٹوں پر انکو چلنا ہی پڑا
پتے پتے کو مزاج اپنا بدلنا ہی پڑا

یوں بھڑک اٹھے ہیں شعلے زندگی کی راکھ سے
کھولتی سانسوں کو لمحوں میں ابلنا ہی پڑا

شام سے ہی گھر کی دیواریں اکیلی رہ گئیں
چل بسا جب مہر تو سائے کو ڈھلنا ہی پڑا

سب بگولے بے ثمر ہو کر بھی رنگا رنگ ہیں
ریت کے دریا میں اِن پیڑوں کو پھلنا ہی پڑا

تھی گھٹن اتنی کہ رنگوں کی سلاخیں توڑ کر
پھول کے زنداں سے خوشبو کو نکلنا ہی پڑا

پیٹ کی خاطر جتن کرتا نہیں کیا کیا کوئی
دیکھ بھوکی شام کو سورج نگلنا ہی پڑا

کھینچ دی سگرٹ کے آوارہ دھوئیں نے جو لکیر
اب نئی سوچوں کو اس رستے پہ چلنا ہی پڑا

دیپ جگنو چاند سورج سے ملی ہے تیرگی
روشنی کے سارے حرفوں کو بدلنا ہی پڑا

واہموں کے سانپ جاذبؔ اُن کے تھے چھوڑے ہوئے
مجھ کو اندر کے سپیرے کو کچلنا ہی پڑا

○

سوئے دریا بارشوں کا رخ بدلنا ہی پڑا
ابر کو بنجر زمیں کے سر سے ٹلنا ہی پڑا

کرچیوں سے راستے سارے مزّین ہو گئے
ہر مسافر کو اب ان رستوں پہ چلنا ہی پڑا

کتنے یخ بستہ رہے وہ چلچلاتی دھوپ میں
دوپہر میں برف زاروں کو پگھلنا ہی پڑا

شام کی وادی میں ہر سو ظلمتوں کی یورشیں
رات کی سیپی کو اک موتی اگلنا ہی پڑا

یوں مسلسل پڑ رہی ہیں حادثوں کی بارشیں
جسم کے کچے مکاں سے اب نکلنا ہی پڑا

تھم گئی بارش مگر تھی کیچ سارے شہر میں
وقت کی انگلی پکڑ کر سب کو چلنا ہی پڑا

قتل کا الزام آتا ہے فقط کمزور پر
ڈوبتے سورج کے رخ پر خون ملنا ہی پڑا

دے سکی اسکو سنبھالا کوئی بیساکھی کہاں
زر کی تازہ کیچ میں ان کو پھسلنا ہی پڑا

تتلیوں نے پھر سزا پائی ہے جاذبؔ حُسن کی
اپنی رنگوں کی چتا میں اُن کو جلنا ہی پڑا

○

اپنا گریباں اپنے ہات
کیا بتلائیں دل کی بات

امشب چاند کے مجمر میں
آگ جلے گی ساری رات

شبنم شبنم کیچ بہت
خوشبو پکڑے کس کے ہات

ایک ہی خواب ہے صحرا کا
بادل سے برسے برسات

پھیلتی کرنوں سے کہنا
آنگن آنگن ہے ظلمات

جسم مکان کرائے کا
جس میں سانسوں کی سوغات

ساحل ساحل غرقابی
لہروں نے دہرائی بات

تُلتے ہیں میزانوں میں
اپنے خط اپنے جذبات

ہستی ہے یا شہرِ عدم
روز حیات ہے روز ممات

جاذبؔ ہم نے دیکھا ہے
کالا سورج اجلی رات

○

میں شدت سے پیاسا تھا
وہ بھی ذات کا دجلہ تھا

ہنستا پھول خیاباں کا
رات گلی میں بکھرا تھا

اس کے دل کی کھیتی پر
جانے کس کا قبضہ تھا

شام کی جلتی بانہوں میں
سورج کیسے سمٹا تھا

جو رائج تھا راتوں میں
گورے چاند کا سکّہ تھا

جس نے مجھ کو قتل کیا
وہ بھی میرا اپنا تھا

چھین لیا جو غربت نے
اک معصوم کا بستہ تھا

جس کی برسوں کھوج رہی
جانے والا کیسا تھا

میں تقسیم ہوا جس میں
میرا اپنا کوچہ تھا

فکر کے ننگے پاؤں میں
جاذبؔ کانچ کا ٹکڑا تھا

○

گر فصیلوں کی آن رکھنی ہے
سب چراغوں میں جان رکھنی ہے

ریگزاروں نے سرمئی چادر
شام کے سر پہ تان رکھنی ہے

کتنے لوگوں نے اجلے پن کے لئے
دہرے چہروں کی شان رکھنی ہے

خوشبوؤں کے نئے پرندوں نے
سب سے اونچی اڑان رکھنی ہے

پہلے ترکش میں تیر تو بھر لیں
جن لبوں نے کمان رکھنی ہے

پالتو سانپ پالنے کے لئے
آستینوں میں جان رکھنی ہے

بات کرنی ہے اپنے لہجے میں
منہ میں اپنی زبان رکھنی ہے

آ بھی جاؤ بس ایک پل کے لئے
ہم نے رسمِ جہان رکھنی ہے

سچ میں ہوتی ہیں تلخیاں جاذبؔ
تو نے قابو زبان رکھنی ہے

○

شوخ سورج نے کیا دیا مجھ کو
اپنے قد سے گھٹا دیا مجھ کو

چاندنی کی لطیف آہٹ نے
نیند سے پھر جگا دیا مجھ کو

ابر پارے نے شب کی تختی سے
جانے کیونکر مٹا دیا مجھ کو

گرد گرد ہوگیا مرا دامن
اور صحرا نے کیا دیا مجھ کو

پیڑ کے خوشگوار پتوں نے
تھپکیوں سے سلا دیا مجھ کو

آئینہ رو نے آج حیرت سے
ایک پتھر بنا دیا مجھ کو

راکھ کے ڈھیر کی ہوں چنگاری
پھر ہوا نے جگا دیا مجھ کو

اس نے اپنی شکست کی خاطر
راستے سے ہٹا دیا مجھ کو

چاہتوں کی سلیٹ پر جاذبؔ
خود ہی لکھ کر مٹا دیا مجھ کو

○

پہچان کب سکے گا کوئی ہم سفر مجھے
وہ روپ دے گئی ہے غبارِ سحر مجھے

بستر پہ کون خارِ مغیلاں بچھا گیا
بستر پہ نیند آ نہ سکی رات بھر مجھے

مستقبلِ حیات کا کھٹکا نہ پوچھیے
لگتا ہے انتظار کے سائے سے ڈر مجھے

اے زینۂ شعور نہ اتنا بلند کر
گردن اٹھا کے دیکھیں نہ اہلِ ہنر مجھے

شاید انہیں کبھی مرا دیدار ہو نصیب
گلیوں میں جھانکتے رہے دیوار و در مجھے

کمزور کر دیا ہے حوادث نے اسقدر
لگتا ہے ایک بوجھ سا شانوں پہ سر مجھے

جیسے کوئی کباب ہوں لمحوں کی سیخ پر
رکھا ہوا ہے وقت نے تیز آنچ پر مجھے

وہ آج کر رہے ہیں مرے نقشِ پا تلاش
جو راستے میں چھوڑ گئے ہمسفر مجھے

جاذبؔ اگر میں اپنی انا کا درخت ہوں
کھانے پڑیں گے وقت کے لاکھوں تبر مجھے

○

جو لہروں میں پلتے ہیں
وہ ہر بار اُچھلتے ہیں

دھوپ جلائے گی کب تک
سورج آخر ڈھلتے ہیں

کشتیاں کھینے والے بھی
گردابوں میں پلتے ہیں

سانپوں کے سر پاؤں میں
کتنے لوگ کچلتے ہیں

میرے خوابوں کے گوہر
محرابوں میں جلتے ہیں

غیض میں ہیں عفریتِ فلک
پل پل آگ اُگلتے ہیں
اُجلے چھالوں کے جگنو
پگڈنڈی پر جلتے ہیں
پک گئیں مہتابی فصلیں
جاذبؔ گاؤں چلتے ہیں

○

کہاں بارش کے ژالے بیچتا ہے

حبابوں کے پیالے بیچتا ہے

سنا ہے آئینے کی کرچیوں نے

کوئی پاؤں کے چھالے بیچتا ہے

کسی غربت زدہ ماں کا ہے بیٹا

جو سڑکوں پر رسالے بیچتا ہے

میسر ہیں اسے بوڑھی کتابیں

جو لکھ لکھ کر مقالے بیچتا ہے

لبِ گرداب شاید کچھ خبر ہو

کوئی لوہے کے تالے بیچتا ہے

اگر ہو کرمکِ شب کو ضرورت
مہِ افلاک ہالے بیچتا ہے
درِ شبنم پہ ہیں اس کی صدائیں
جو چاندی کے پیالے بیچتا ہے
سرے بازار پھر کوئی مہک کر
بہاروں کے جیالے بیچتا ہے
کوئی جو کور دیدہ ہے تو آئے
ترا جاذبؔ اجالے بیچتا ہے

○

میں شاخ شاخ نت نئے گلاب ڈھونڈھتا رہا
میں خوشبوؤں کا حسنِ انتخاب ڈھونڈھتا رہا

شبِ سیاہ دیر تک تماشہ دیکھتی رہی
میں چاند کی کرن میں آفتاب ڈھونڈھتا رہا

کسی چمکتی ریت کے فریب میں گھرا تھا وہ
جو نت نئے سراب میں سراب ڈھونڈھتا رہا

ہے تیرگی میں روشنی سحر میں ظلمتیں ہیں کیوں
وہ اپنے ہر سوال کا جواب ڈھونڈھتا رہا

ہر ایک حرفِ فکر میں رجائیت کا درس ہو
غریب زندگی کی وہ کتاب ڈھونڈھتا رہا

اسی حسیں ، سحر جبیں، مہِ زمین کے لئے
حقیقتوں کے ریشمی نقاب ڈھونڈھتا رہا

مرے لبوں پہ تشنگی کا ذائقہ عجیب ہے
میں آج تک نئے نئے سراب ڈھونڈھتا رہا

ہے خواہشوں کا چاند بھی فلک کی خوابگاہ میں
زمیں پہ کون آسماں کے خواب ڈھونڈھتا رہا

یہ اور بات سب چمن کے پھول جاذبِ نظر
میں خوشبوؤں کے قرمزی گلاب ڈھونڈھتا رہا

○

تیز ہوا سے باتیں کرنا چھوڑ دیا
قندیلوں نے آہیں بھرنا چھوڑ دیا

جانے کیوں لہروں میں سینہ کوبی ہے
کشتی نے دریا میں اترنا چھوڑ دیا

سورج جب سے آیا کُہر کے چنگل میں
کرنوں نے راہوں میں سنورنا چھوڑ دیا

آنگن آنگن سب گلرنگ چراغوں نے
راتوں کو گُھٹ گُھٹ کے مرنا چھوڑ دیا

پلکوں کے نیزوں پہ سر سچائی کے
کس نے ظلم نگر سے ڈرنا چھوڑ دیا

تیرگیوں کا قبضہ ہے وجدانوں پر
کرنوں نے ذہنوں میں بکھرنا چھوڑ دیا

جاذبؔ اُن کے شہر میں اک فریادی نے
سنگدلوں کے در پہ دھرنا چھوڑ دیا

○

روح عنصر سے خفا بھی ہو گی
گر حباب ہیں تو ہوا بھی ہو گی

سنگ باری جو کریں گے بادل
کچھ گھروندوں میں بُکا بھی ہو گی

لہلہاتے ہیں جو کلیوں کی طرح
ان میں ہنسنے کی ادا بھی ہو گی

گر وفاؤں کے علمدار ہو تم
راہ میں کرب و بلا بھی ہو گی

گنبدِ کرب پرانا ہی سہی
اس میں پژمردہ صدا بھی ہو گی

کہکشاں رقص میں یونہی تو نہیں
موج میں زلفِ دُتا بھی ہو گی

کُھر اس بار اگر کان دھرے
صبح کے لب پہ دعا بھی ہو گی

آج جاذبؔ ہیں بہکنے والے
رقص میں لغزشِ پا بھی ہو گی

○

غموں کی شاخ پہ خاموش ہیں طیور بہت
گئی رتوں کے مسافر ہیں تھک کے چور بہت

کبھی تو گزرے گی یہ آبلوں کی پگڈنڈی
محبتوں کی مسافت میں ہے سرور بہت

نہ پوچھ ہم سے غمِ زیست کے تلاطم کا
غموں کی لہر نے ہر پُل کیا عبور بہت

یہ کیا ہوا کہ ستاروں کو نیند آنے لگی
ابھی تو رات کو کرنے تھے طے امور بہت

نجانے کون پری وش ادھر سے گزرا ہے
ہے آئینے کے بھی چہرے پہ گردِ نور بہت

کچھ ایسے چاند نے کرنوں کے سنگ برسائے
ہوئے ہیں آئینے شبنم کے چور چور بہت

یہ اور بات کہ وہ دیکھنے میں احمق ہے
ملا ہے درسِ سخن سے اسے شعور بہت

وہ مجھ سے گفتگو آ کر کرے، کرے نہ کرے
مرے لئے ہے اسی ذات کا ظہور بہت

فقیہہِ شہر بھی چہرہ چھپائے پھرتا ہے
یہ کس نے شہر میں پھیلا دیا فتور بہت

ترے لبوں کے افق سے قریب ہے جاذبؔ
مری زمین سے رہتا ہے چاند دور بہت

○

یوں ہیں خود سر ڈھلتے سائے
جیسے شام کے جلتے سائے

جھانک رہے ہیں دیواروں سے
در در چلتے چلتے سائے

سر پر ہیں سورج کی آنکھیں
کیسے سر سے ٹلتے سائے

بجلے خوابوں کی دستک پر
دھوپ میں آنکھیں ملتے سائے

اُن کے اجلے شہر میں اکثر
کچھ بہروپ بدلتے سائے

آخر چھپ جائیگا سورج
کہہ گئے دن کے ڈھلتے سائے

کرب کی جلتی انگنائی میں
ہیں بیتاب مچلتے سائے

دھیرے دھیرے جسم نگر سے
کب چُپ چاپ نکلتے سائے

جاذبؔ پھر برسیں گے بادل
آنکھوں میں ہیں جلتے سائے

○

صحرا تو پانی کو ترسے

دریاؤں پر بادل برسے

ہوش ہمیں اُس لمحہ آئی

گزرا ہے جب پانی سر سے

رہ میں ہیں سورج کی کرچیں

گھبراتے ہیں لوگ سفر سے

اُن کا چہرہ پھولوں جیسا

بازو بھی سنگِ مرمر سے

اہلِ فقر کی فِکر تو دیکھو

رغبت ہے میلی چادر سے

جو سنسان نگر لے جائے

خوش ہیں لوگ اُسی رہبر سے

پھولوں نے قدموں کو چوما

جب بھی گزرے کانچ نگر سے

اب کے آدھی رات کے طائر

گُن لیتے ہیں بادِ سحر سے

جاذب ہیں صحرا کے راہی

نالاں ہیں جو اپنے گھر سے

○

کب بہاروں کی بات سنتا ہے
جو خزاؤں کے پھول چنتا ہے
میں کھڑا ہوں انا کی چوٹی پر
میری فریاد کون سنتا ہے
پھول تعبیر کے ملیں نہ ملیں
سپنے ہر ایک شخص بُنتا ہے
لوگ رسیا ہیں مُشک و عنبر کے
شاخ سے خار کون چُنتا ہے
ان لبوں کی خدنگ برجستہ
صید بھی کب پکار سنتا ہے

طائرانِ سحر سے کون کہے
کوئی سجدے میں سر بھی دُھنتا ہے
زندگی کا وہ ریگزار ہوں میں
راگ جو آندھیوں کے سنتا ہے
گنگناتی ہے جب بھی سرد ہوا
دیپ بھی سرخوشی سے دھنتا ہے
دہر بھر میں عجیب ہے جاذب
راستوں سے جو خار چنتا ہے

NP
NASIR PUBLICATION
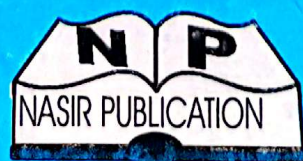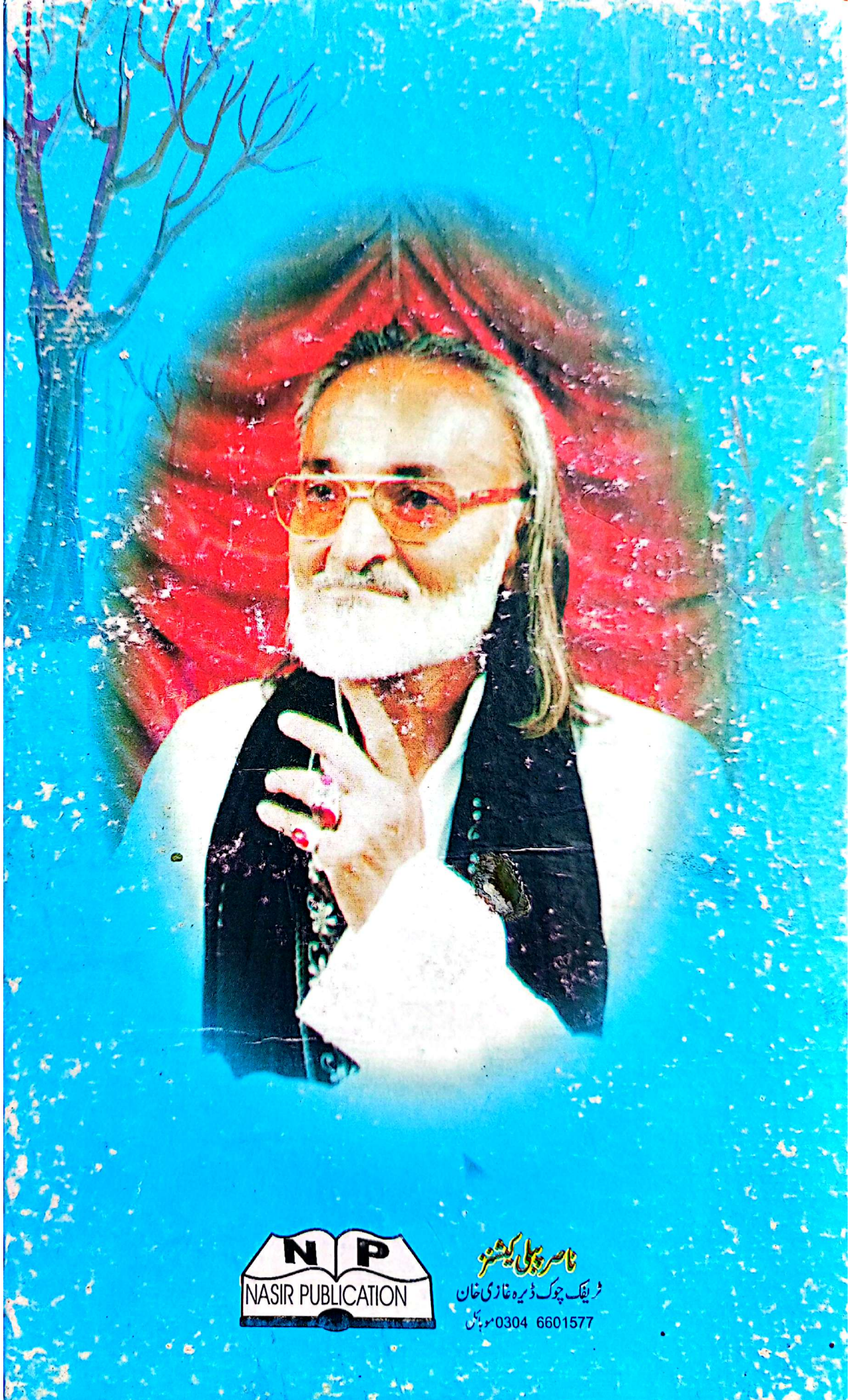
ناصر پبلی کیشنز
ٹریفک چوک ڈیرہ غازی خان
موبائل 0304 6601577